جوامع الکلم سے ماخوذ سیاسی اصول و حکم کی توضیح

An explanation of the political principles and orders derived from .Jamias al-Kalam

DOI:10.5281/zenodo.10675359

* *Rehana Murid Ali*
***Dr.Memoona Rafi*

Abstract

Politics is part and partial of a country to run its matters evenly.Successful politics is prelude to peace and prosperity of common man by representing his needs .Indeed,triumphant politics is destitute of principles and pet rules and regulations. Unfortunately,the world is deprived of such political system which became role model for rest of countries.Islam professes to offer principles which guide whole world on large scale.the last prophet ,representing political idealism gave such principles which provide peace and stability by His precise traditions.Prophet Muhammad(PBUH)gave universal principles of politics on the besis of which a smudge free political system can be designed and run on successful grounds.

Keywords : *Part and partial , evenly, prelude , triumphant, deprived, unfortunately, stability.*

تعارف:

عام لوگوں کا یہ تاثر ہے کہ سیاست سے چالاکی اور دھوکہ بازی مراد ہے ۔ سیاسی عمل کے باقاعدہ مطالعہ کے لیے سیاست کا یہ مفہوم نا درست اور جزوی ہونے کی بنیاد پر نا قابل قبول ہے ۔دھوکہ بازی اگرچہ سیاسی حربوں کا حصہ ہو سکتے ہیں مگر ان حربوں کو سیاست کے ہم معنی تصور کرنا اصل سیاست کی وسعت کو نظر انداز کرتے ہوئے محض حربوں تک اس کے مفہوم کو محدود کرنے کے مترادف ہے ۔دھوکا بازی وغیرہ کو سیاست کے ہم معنی تسلیم کرنے میں مزید دشواری یہ ہے کہ معاشرے میں لین دین اور دیگر معاشرتی تعلقات میں چالاکی اور دھوکہ بازی کے عمل کو سیاسی عمل سے مختص کرنا ممکن نہیں رہتا۔"[1]

....

*Ph.D scholar, Department of Islamic studies, Gift University
**Ph.D scholar, Department of Islamic studies, Gift University

لہٰذا ثابت ہوا کہ سیاست سے مراد چالاکی، دھوکہ دہی یا مفاد پرستی نہیں ہے اگرچہ سیاست کے مظاہر میں یہ شمار ضرور ہوتے ہیں۔ لغت میں لفظ "سیاست" سے مراد بصیرت اور تدبیر سے امور ریاست کی انجام دہی ہے، یعنی تدبیر کرنا، اور ملکی انتظام چلانا ۔ ماہرین علم لغت، سیاست کے معنی یوں بیان کرتے ہیں کہ سیاست لغوی اعتبار سے لوگوں کے امور کی اصلاح، ملک کے کاموں کی تدبیر کرنا ،خلق کے امور کی دیکھ بھال کرنا، ملک کے داخلی اور خارجی امور کی دیکھ بھال کرنا، بعض اوقات اس لفظ سے مراد علم وقدرت بھی لی جاتی ہے۔ معاشرے کو ایسے راستے پر گامزن کرنا کہ انسان اور معاشرے کے تمام افراد کو اصلاح کی طرف لوٹانا ممکن ہو۔ غیاث اللغات میں سیاست کے کئی معنی درج ہیں مثلا:

سیاست کے معنی ملک کو قائم رکھنے اور اس میں حکم چلانے کے ہیں۔ جبر اور قہر کرنا اور اس کا اظہار کرنا بھی سیاست کے معنی میں شامل ہے۔اسی لغت کے مطابق لوگوں کو مار پیٹ اور خوف کے ذریعے قابو میں رکھنے کے عمل کو بھی سیاست کہتے ہیں۔ سیاست سفاکی اور خونریزی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتی ہے۔"[2]

اس کے علاوہ سیاسی نظام اور سیاست کی جامع اور واضح تعریف مندرجہ ذیل الفاظ میں کی جاتی ہے

سیاست یا سیاسی نظام باہمی روابط کا وہ مربوط سلسلہ ہے جو معاشرے کے مختلف عناصر میں یگانگت و ہم آہنگی پیدا کرنے اور اقتصادی اور معاشرتی تبدیلیاں رونما ہونے پر معاشرے میں ان تبدیلیوں میں تطبیق پیدا کرنے کے فرائض انجام دیتا ہو۔ دوسرے الفاظ میں سیاسی نظام باہمی روابط کے ان اطوار کو کہتے ہیں جو کم و بیش جائزیت کے حامل ہوں اور معاشرے میں نظم ونسق برقرار رکھتے ہوئے اقتصادی اور سماجی تبدیلیوں کو معاشرے میں سمونے کا اہتمام کریں۔"[3]

اسلام کا سیاسی تصور اور سیاسی اصول و حکم منفرد نوعیت کے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی جوامع الکلم احادیث میں سیاسی اصول و حکم بیان فرمائے ہیں جن کی بنیاد پر دنیا کے لیے ایک عمدہ سیاسی نظام کا ڈھانچہ پیش کر کے ایک مثالی سیاسی نظام کی راہیں ہموار کی جاسکتی ہیں اور سیاسی ابتری کی شکار اقوام کو سیاسی استحکام کی بنیادیں فراہم کی جاسکتی ہیں۔

اسلامی نظریہ سیاسی کے اولین اصول:

حاکمیت الٰہی اور تھیا کریسی:

تھیا کریسی اور اقتدار اعلیٰ کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات کے ہونے کے تصور کو گڈ مڈ نہ کر دیا جائے۔ یہ امر نہایت وضاحت طلب ہے کہ تھیا کریسی سے مراد ایسا نظام حکومت ہے جس میں اختیارات خدا کو حاصل ہوں لیکن ان کے عملی

مظاہر مذہبی رہنماؤں کا مخصوص طبقہ ہو۔اسلام میں ایسی مذہبی اجارہ داری کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اس کی تعریف اسلامی تصور اقتدار اعلیٰ سے مختلف ہے۔روائسٹون پائک "مذہب اور مذاہب کا انسائیکلوپیڈیا میں تھیا کریسی کی جامع تعریف بیان کرتے لکھتے ہیں۔

A form of governmentin which supremacy belongs to god or divine scripture manifested by clergies or archdiocese and considered statute of god.

"حکومت کی ایک ایسی قسم جس میں اقتدار اعلیٰ کا مرکز خدا یا کسی کتابی قوّت کو سمجھا جائے، جبکہ حقیقی حکمران پادری یا مذہبی پروہت ہوں اور قوانین کو احکام خداوندی سمجھا جائے۔"

تھیا کریسی کی مثال یہودی، عیسائی اور برہمن مذہب کی تاریخ میں ملتی ہیں۔اسلامی ریاست و قوانین کا محور حاکمیت الٰہی کا تصور ہے جو تھیا کریسی سے اس صورت میں جدا ہے کہ چند طبقہ سیاہ و سفید کا مالک نہیں کہ جس کا حکم حرف آخر ہو اور خدا کے نام پر اختیارات کو بلا روک وٹوک استعمال کرکے عوام عامہ کا استحصال کریں۔اسلامی سیاسی نظام میں ایسے کسی طبقے کی کوئی گنجائش نہیں۔اسلام دنیا کو دار العذاب نہیں سمجھتا اور نہ بے یار و مددگار چھوڑتا ہے کہ ہدایات اور اصول و قوانین کے لیے مذہبی اجارہ داروں کی رائے کو آسمانی رائے سمجھ لیا جائے۔اسلام میں تمام قوانین و احکام کا مرکز اللہ تعالیٰ ہے۔قرآن کریم میں ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝[4]

حکم سوائے اللہ کے کسی اور کا نہیں۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو یہی صحیح دین ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ[5]

وہ پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں ہمارا بھی کچھ حصہ ہے؟ کہو کہ اختیارات تو سارے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

" حاکمیت کے اسلامی نظریے کے مطابق قانونی سازی کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔قانون سازی کا اختیار کسی انسان، حتیٰ کہ نبی کو بھی حاصل نہیں۔نبی خود اللہ کے احکامات کی پیروی و نفاذ کا علمبردار ہوتا ہے۔اور انسان پر نبی کی اطاعت بھی اسی لیے لازم ہے کہ وہ اپنے پاس سے حکم صادر نہیں کرتا بلکہ اللہ کے حکم کو بیان کرتا ہے"[6]

اس مندرجہ بالا صورت حال کو نبی کریم ﷺ نے اپنی جوامع الکلم حدیث میں نہایت مختصر انداز میں بیان فرمایا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه ،عن النبی ﷺ قال:لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق، انّما الطاعة فی المعروف۔[7]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"مخلوق کی فرمابرداری میں خالق کی نافرمانی کی گنجائش نہیں،فرمابرداری صرف نیک کاموں میں ہے۔

اس جامع حدیث میں جوکہ نبی کریمؐ کے جوامع الکلم کی بہترین مثال ہے، الفاظ کم لیکن مفہوم و معنی کا سمندر لئے ہوئے ہے۔ آپ ؐ نے جب اسلامی ریاست مدینہ کی تشکیل کی تو وہاں پر عملًا اس بات کا ثبوت دیا کہ کوئی بھی قانون، قاعدہ،ضابطہ یا شرعی حکم چاہے وہ کسی بھی شعبہ زندگی سے متعلق ہو اللہ تعالی کی مرضی کے خلاف نہیں بنایا جا سکتا ہے۔آنحضورؐ کی سیرت مبارکہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خانگی امور میں بھی آپؐ اللہ پاک کے حکم کے منتظر بھی رہتے اور فرمانبردار بھی۔ پاکستان اسلامی ملک ہے اس لیے یہاں پر کوئی بھی ایسا قانون جو شریعت اسلامیہ سے متصادم ہوا سے مسترد کردیاجاتاہے۔

لہذا ریاست،جوکہ اسلامی ہونے کی دعوے دار ہو وہ اپنے تمام امور میں مقتدر اعلیٰ کی محتاج ہو گی ۔اقتدار اعلیٰ کا حامل اللہ تعالیٰ ہے۔ حتیٰ کہ انبیاءاکرام بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔

اس کے بعد یہ دیکھا جائے گا کہ کوئی بھی حکم، قانون یا قاعدہ نبی کریمؐ کی سنت اور حکم سے متصادم نہ ہو۔آنحضورؐ کی احادیث صحیحہ قانون کادرجہ رکھتی ہیں اور دین میں حجت ہیں۔ اس امر کی تصدیق مندرجہ ذیل آیت سے ہوتی ہے۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ [8]

جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کے بعد جس کا حکم مانا جائے گا وہ پیارے نبی حضرت محمد کے احکام ہیں۔

اب صورت حال بالکل واضح ہو گئی کہ احکامات کا مصدر اللہ تعالیٰ ہے اور انبیاء اکرام ان احکامات کی تشریح و

توضیح کر کے ان کے عملی نفاذ کے لیے تشریف فرما ہوئے۔اب یہاں یہ سوال جا گزیں ہوتا ہے کہ ایسی ذات جو خود کسی قسم کے اختیار کی حامل نہ ہو اور نہ اس کو کسی قانون الٰہی کے بدلنے یا کمی اضافہ کرنے کا اختیار ہو، اس کو کس ٹائٹل سے پکارا جائے گا۔اس کا جواب بھی قرآن کریم سے ہی ملتا ہے کہ اسے خلیفہ اور اسکی پوزیشن کو خلافت سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی وہ بجائے خود حاکم اعلیٰ ہونے کے محض نائب کی حیثیت رکھتا ہے۔ارشاد ربّانی ہے۔

انّ جعلنا فی الارض خلیفه[9]:30

نیابت و خلافت کا یہ تصور پاپائیت یا روحانی مجاوروں کی طرف منتقل نہ کیا جائے کیونکہ قرآنی تعلیمات سے یہ بات واضح ہوتی ہے یہ نیابت الٰہی کا یہ مقام کسی فرد واحد یا کسی خاندان یا کسی خاص طبقے کا حق نہیں بلکہ ہر اس شخص کا حق ہے جو اللہ کے احکامات کو سمجھتے ہوئے ان کے نفاذ کی اہلیت و طاقت رکھتا ہو۔

یہ تصور نیابت ،اسلامی خلافت کو قیصریت اور پاپائیت و مغربی تصور ریاست کے برعکس ایک جمہوریت بنا دیتا ہے۔کیونکہ مغرب جس تصور کو لفظ جمہوریت سے تعبیر کرتے ہیں اس میں جمہوریت کو حاکیت کا حامل قرار دیا جاتا ہے اور مسلمان جسے جمہوریت کہتے ہیں اس میں جمہور صرف خلافت کے حامل ٹھہرائے جاتے ہیں۔نظام ریاست کو چلانے کے لیے مغربی تصور جمہوریت میں رائے دہندوں کی رائے سے حکومت بنتی ہے اور بدلتی ہے اور اسلامی جمہوریت بھی اس کی متقاضی ہے لیکن فرق یہ ہے کہ مغرب کے تصور کے مطابق جمہوری ریاست مطلق العنان اور مختارِ کل ہے جبکہ اسلامی تصور کے مطابق جمہوری خلافت اللہ کے قانون کی پابند ہے۔[10]

اصول خلافت و مشاورت

آنحضورؐ نے جوامع الکلم احادیث میں اصول خلافت و مشاورت کو بیان فرمایا ہے۔روایت ہے

عن علی رضی الله عنه، عن النبیﷺقال: الناس تبع لقریش فی هذالشا ن اسلمهم لمسلمهم و کافرهم لکافرهم[11]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ (خلافت) میں قریش کے تابع ہیں مسلمان مسلمان قریش کے تابع ہیں اور کافر کافر قریش کے تابع ہیں۔

یہ ایک ایسی جوامع الکلم روایت ہے جس کے اندر اصول اور ضوابط کی پوری وادی ہے۔آنحضورؐ نے جب ریاست مدینہ کی تشکیل فرمائی تو ساتھ ہی ہر ہر امور سے متعلق تدریج کے اصول کو اپنایا جو کہ عین فطرت انسانی سے میل کھاتا ہے۔جب آپؐ اس دارفانی سے رخصت ہو کر رب حقیقی سے ملے تو عالم یہ تھا کہ کچھ قبائل طاقت میں بنو ہاشم سے بہت مضبوط تھے۔

لیکن مذہبی سیادت کی وجہ سے تمام قبائل عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آپؐ کو معلوم تھا کہ آپؐ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد یقیناً شعبہ خلافت سے متعلق جھگڑا اور تصادم اٹھ کھڑا ہو گا اس لیے آپؐ نے امت کو فساد سے بچانے کے لیے فرمایا کہ لوگ حکومت و سیاست میں قریش کے تابع رہیں گے مسلمان مسلمان قریش کے تابع رہیں گے اور کافر کافر قریش کے تابع رہیں گے۔

مندرجہ بالا پر حکمت فرمان نبوی کے پیچھے بہت سے رازکارفرما تھے۔ اس لمحے کا تقاضا تھا کہ امت مسلمہ کو مجتمع کرنے کے لیے قریش کو خلافت کا حق دیا جائے۔ لیکن تدریجاً آپؐ نے خوبصورت اصول بتائے اور فرمایا

"إِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ - حَسِبْتُهَا قَالَتْ : أَسْوَدُ -يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ ،فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا"[12]

اگر تم پر ناک کٹا حبشی غلام بھی امیر بنا دیا جائے تو جب تک وہ تمھیں کتاب اللہ کے مطابق چلائے اس کا حکم مانو اور اطاعت کرو۔

مندرجہ بالا جوامع الکلم حدیث سے جو پر مغز اصول وحکم کے سوتے پھوٹتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اگر کوئی ایسا شخص جو خاندانی حسب ونسب میں اعلی مقام پر فائز نہ ہو لیکن تقویٰ اور بھلائی میں اعلیٰ اور افضل وبالا ہے اور اسے قیادت کی ذمہ داری سونپی جائے اور وہ دین اور شریعت کی پیروی کرے اور دوسروں کو بھی شرعی اصول وقواعد کے مطابق زندگی گزارنے کا درس دے تو اس کی پیروی کرنا امت مسلمہ پر فرض ہے۔ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی سی اس اصول پر بھی روشنی ڈالی جائے کہ خلافت یاحکومت کی باگ دوڑ کسی خاص قبیلے، ذات خاندان یا کسی خاص پارٹی کا حق نہیں۔ خلافت کا قریش میں رہنا بھی کوئی مستقل حکم نہ تھا کیونکہ بے شمار ایسی احادیث موجود ہیں جن سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ سیاست کی بنیاد تقویٰ ہے۔

کیا تقویٰ میرٹ ہے:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ محض تقویٰ کی بنیاد پر حکومت کے معاملات کا جانشین بنا دیا جائے گا کسی بھی ایسے شخص کو جو باقی صلاحیتوں سے محروم ہو ۔اصل حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ اور بصیرت وحکمت کا گہرا تعلق ہے۔ حکمت ہو گی تو عرفان ہو گا اور تقویٰ کی صلاحیت پیدا ہو گی لیکن عملاً یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جس شخص کے اندر تقویٰ کی صفت کوٹ کوٹ کر بھری ہو وہ حکومت کے عہدوں سے ویسے ہی اپنے دامن کو بچا کر رکھنا پسند کرتے ہیں الا یہ کہ ذمہ داری ان پر لاد دی جائے۔

تقوی ایک قلبی کیفیت کا نام ہے البتہ یہ لازمی ہے کہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے والے فرائض کو علی الاعلان ادا کریں تاکہ لوگ خوش دلی سے ان کی اتباع کریں۔

اسلام ایک وسیع دین ہے۔اس کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔اسلام ایک بڑا پر امن دین ہے جس میں ایسے مرتب قوانین ہیں جن کی بناء پر فساد سے بالاتر ہو کر ایک مثالی سیاسی نظام چلایا جاسکتا ہے۔لیکن ہر معاشرہ اور دنیا کے ہر کونے میں جہاں اچھے لوگ موجود ہیں جن کی طبیعتیں قوانین کو پسند کرتی ہیں وہاں کچھ عناصر شریر اور فسادی بھی ہوتے ہیں جو فتنہ وفساد پیدا کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔اب ایسی نزاع کی صورتحال میں کیا کیا جائے- یہاں ایک خوبصورت جوامع الکلم روایت ملتی ہے۔آنحضورؐ نے صحابہ سے بیعت لی کہ۔

عن عباده بن صامت رضی الله عنه قال،قال رسول الله :أَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ، إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنْ الله فِيهِ بُرْهَانٌ[13]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اپنے حکمرانوں سے جھگڑا نہ کریں گے الّا یہ کہ ان کے کاموں میں کھلا کفر نظر آئے جو تمہارے پاس ان کے خلاف اللہ کے ہاں دلیل ہو۔

اس کے علاوہ ایک موقع پر آپ ﷺ سے صحابہ اکرام نے برے حاکموں کے خلاف بغاوت کے متعلق اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فساد کی صورت حال سے بچانے اور امن کو فروغ دینے کی حکمت کے پیش نظر فرمایا:

چاہی تو آپؐ نے فرمایا عن مالك بن عوف عن رسول الله ﷺ::لا، ما أقاموا فيكم الصلاة[14]

مالک بن عوف سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کرتے رہیں۔

اب یہاں یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ جب تک فرائض ادا کرتا رہے اور اعلانیہ کفر کا ارتکاب نہ کرے تب تک اس کی اطاعت لازم ہے۔فرائض میں بھی نبی کریم ﷺ نے صرف نماز کے متعلق اس لیے فرمایا کہ نماز ایک تو مومن اور کافر کے درمیان وجہ امتیاز ہے اور مزید یہ کہ اس سے اجتماع بین المسلمین ہوتا ہے۔نیز نماز کے شخصیت و کردار پے بہت سے جسمانی وروحانی مثبت اثرات ہوتے ہیں۔مختصرا یہ کہ آپ ﷺ نے سیاسی ودفاعی اعتبار سے اجتماعیت کے شیرازے کو متحد رکھنے کی حد درجہ تلقین فرمائی۔

فطرت کے عین مطابق ہونے کا ثبوت یوں تو اسلام بہت سارے مواقع پر دیتا ہے لیکن کمال کی بات یہ کہ سیاسی امور میں بھی فطرت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔اسلام نے جہاں بہت مرکز سے وابستہ رہنے کی سخت ہدایت کی ہے وہیں ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کی بھی ہدایت کی ہے۔مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں۔

اولی الامر سے نزاع کا حق مسلمانوں کے پاس موجود ہے جس کا اصول یہ ہے کہ نزاع کی صورت میں فیصلہ جس چیز پر چھوڑا جائے گا وہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے۔ یہ آخری سند کی حیثیت رکھتی ہیں اور جو فیصلہ کر دیں اس کو ماننا پڑے گا خواہ وہ عوام کے خلاف ہو اور اولی الامر کے حق میں ہو یا معاملہ اس کے برعکس ہو۔ لہٰذا ایک ایسا خود مختار ادارہ ریاست کے اندر موجود ہونا چاہیے جو نزاع کا فیصلہ شفاف بنیادوں پر قرآن و سنت کے بنیادی اصولوں کے مطابق کرے۔[15]

امیر کے اندر تقویٰ کے ساتھ ساتھ لیڈ کرنے کی تمام مہارتوں پر عبور ہونا بھی لازم ہے۔ دراصل تقویٰ ایک الگ وصف ہے جو امیر کے اندر تمام لیڈرشپ والی خصوصیات کے ہوتے ہوئے مزید عزت اور برکت کا باعث بنتی ہیں۔ محض تقویٰ پر مبنی نہیں بلکہ تقوی کا ان خصوصیات میں اضافہ کی صورت میں ہونا احسن بھی ہے اور ضروری بھی۔

دراصل بہت سے اسلامی مفکرین و مصنفین نے طویل بحثوں سے الجھا کر امت مسلمہ کو کشمکش کا شکار کر رکھا ہے۔ کوئی مفکر یہ نقطہ نظر پیش کرتا ہے کہ نظام خلافت پر مبنی ریاست ہونی چاہیے جبکہ بعض کے ہاں امامت زیادہ اہم ہے۔ کچھ جمہوریت کے حامی ہیں تو کچھ اشتراکیت کے بعض آمریت کے روح رواں ہیں، تو بعض کمیونزم کے اب یہاں مسئلہ یہ ہے جو نزاع کا باعث بنتا ہے کہ نظام خلافت پر مبنی ہو یا امامت پر امیر کے اندر تقویٰ کے ساتھ ساتھ لیڈ کرنے کی تمام مہارتوں پر عبور ہونا بھی لازم ہے۔ دراصل تقویٰ ایک الگ وصف ہے جو امیر کے اندر تمام لیڈرشپ والی خصوصیات کے لیے مزید عزت اور برکت کا باعث بنتی ہے۔

اگر نظام کے متعلق سوال اٹھایا جائے کہ کون سا نظام حکومت اپنایا جائے تو جو بات پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ بنیادی اصول اور قاعدہ پر حرف نہیں آنا چاہیے۔ ایک صحت مند اور معتدل نظام سیاسی کے لیے جس بھی نظام کی پیروی کرتے ہوئے اسے اپنایا جائے اس میں کوئی مضائقہ نہیں یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کوئی نظام دوٹوک الفاظ میں نہیں دیا بلکہ صرف رہنمائی اور مثال دے کر اصطلاحات استعمال کر کے ایک نمونہ دکھایا ہے نہ کہ کوئی نظام تھوپا گیا ہے۔ اسلام دراصل جو نظام دیتا ہے وہ نظام نہیں بلکہ وہ اصول اور خوبیاں ہیں۔ یہ اصول اور خوبیاں جس بھی نظام میں ملیں گے وہ اچھا اور کامیاب نظام ہوگا۔

اصول انتخاب:

آنحضورؐ کے جوامع الکلم جو کہ الفاظ کی تحدید اور معنوں کی وسعت کے حامل ہیں ان میں بہترین اصول انتخاب دیے گئے ہیں جن کو آج کے دور میں اپنا کر بہترین نظام حکومت و سیاست چلایا جا سکتا ہے ۔آج کل جس جمہوریت

کا ڈنکا بج رہا ہے وہ بوسیدہ تصور ہے اور جمہوریت کی اصل روح کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس میں رائے عامہ کو کوئی وقعت نہیں دی جاتی۔ پارٹی اور ذاتی مفاد کی خاطر لوگ اندھا دھند اپنے ووٹ کا ضیاع کرتے ہیں۔ بعض حالات میں تو عوام کو اتنا بھی شعور نہیں ہوتا کہ کسی پارٹی کا ایجنڈا، مقصد اور نصب العین کیا ہے۔ وہ حکومت میں آنے کے بعد عوام کی فلاح و بہبود کا کس حد تک پاس رکھیں گے۔ ان کا قول و فعل مطابقت کا حامل ہوگا یا محض عوام کو باتوں کا میٹھا شربت پلایا جائے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے انتخاب کا کیا اصول بتایا ہے۔ آنحضور ؐ کے جوامع الکلم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ عہدے دینے اور ذمہ داری سپرد کرنے میں Merit کو اولین ترجیح دیتے۔ آپؐ طلب عہدہ کے سخت خلاف تھے۔

آپ ؐ نے ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے سامنے دو افراد کو جو کہ عہدے کی لالچ میں آئے تھے اور درخواست کر رہے تھے کہ جس طرح آپؐ دوسروں کو عہدے دیتے ہیں انہیں بھی دے دیں آپؐ نے سخت برہمی کا اظہار فرمایا جو کہ آپ کے تاثرات سے واضح ہوا۔ آپ ؐ نے فرمایا:

"انّا و الله لا نولّي على هذا العمل احد اسئاله ،و لا احد احرص على ۔ [16]

"اللہ کی قسم ہم مانگنے والوں کو عہدہ نہیں دیتے اور نہ عہدے کا لالچ رکھنے والے کو عہدہ دیتے ہیں۔"

مفکرین نے انتخاب کے طریقے اور صورتیں بتائی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے نزدیک انتخاب کی چار صورتیں ہیں۔

1۔ قوم کے ارباب حل و عقد (جن میں امراء، علماء اور فوجی افسر شامل ہیں بشرطیکہ ان کی اسلام اور مسلمانوں کے لیے خیر خواہی مسلم ہو۔ متفقہ طور پر کسی کو خلافت کے لیے چن لیں اور اس کی بیعت کر لیں اس کی مثال حضرت ابو بکر صدیق کا انتخاب ہے۔

2۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کا سابقہ خلیفہ اس دار فانی سے رخصت ہوتے وقت کسی کو خلیفہ مقرر کرنے کی وصیت کرے اس کی مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی ہے۔

3۔ انتخاب کا ایک طریقہ شوریٰ ہے کہ چند سربرآوردہ اشخاص ارباب حل و عقد سے مشورہ کر کے کسی کو خلافت کے لیے نامزد کر دیں۔ اس قبیل کی خلافت حضرت عثمان کی تھی۔ علوی انتخاب کو بھی شاہ صاحب اسی نوعیت کا سمجھتے ہیں۔

کوئی ایسا شخص جو شروط خلافت کا جامع ہو اپنی قوتِ بازو سے مسلمانوں پر تسلط جما لے۔ اس کی مثال اگرچہ شاہ صاحب نے نہیں دی صرف یہ لکھ کر آگے بڑھ گئے کہ " خلافت نبوت کے

بعد تاریخ میں اس کی مثالیں جستہ جستہ ملتی ہیں ۔غالبا ان کے ذہن میں امیر معاویہ کی خلافت تھی۔ یہ نظریہ فارابی کے مدینۃالتغلب" سے بہت مماثلت رکھتا ہے۔ لیکن شاہ ولی اللہ فارابی کی طرح ہر طاقتور کو کمزوروں پر غلبہ حاصل کرنے کی کھلی چھٹی نہیں دینا چاہتے البتہ وہ مستحق خلافت اور شرائطِ خلافت کے حامل افراد کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ ناکام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں تاکہ امت کا اتحاد خطرے میں نہ پڑ جائے۔[17]

بہت متاثر اور پر کشش اصول، جو مندرجہ بالا بحث سے اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام ایک نہایت معتدل، آسان،مربوط اور ماڈرن دین ہے جو اپنے اندر بہت وسعت رکھتا ہے۔ ہندومت کی طرح اس میں فطرت انسانی کے خلاف اٹل ،بوسیدہ اور دقیانوسی نظریات و قوانین نہیں بلکہ فطرت انسانی Versatility کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر صورت حال سے نپٹنے اور ہر صورت حال کو اپنے مطابق ڈھالنے کی گنجائش رکھتا ہے۔آنحضورؐ کے جوامع الکلم سے اسلامی سیاست و حکومت کے اصول انتخاب کی اس وسعت کا اندازہ بہت عمدہ انداز میں ہوتا ہے۔

غیر عرب اور غیر مسلم ممالک کے ہاں جو سیاسی افکار، جن پر وہ فخر کرتے ہیں یہ سب اسلامی ضوابط اور اصول و قوائد سے ہی اخذ کیے گئے ہیں جنگ عظیم اول(1914-18)اور جنگ عظیم دوم(1939-45) کو آڑ بنا کر یورپین ممالک نے سیاسی و معاشی فوائد حاصل کر لیے اور اس طاقت، جو کہ فساد، قتل و غارت اور شر و عناد کا نتیجہ تھی اور تخریب کار ذہنوں کی پلاننگ تھی ان کے بل بوتے پر آج یورپین ممالک یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کے نظامِ خلافت کی گنجائش ہی نہیں وہ ایک پرانا طریقہ انتخاب و اقتدار ہے جب کہ دراصل میرٹ اور فطرت کے تقاضے کے عین مطابق اسلام نے کوئی طریقہ نہیں مسلط کیا بلکہ ہر قسم کی صورتحال کے لئے رہنما اصول مہیا کیے ہیں جن کی روشنی میں آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ان اصولوں سے احسن طریقے سے مدد لی جا سکتی ہے۔

مسلم مفکرین نے بھی اپنے اپنے سیاسی پس منظر کے مطابق قرآن و حدیث کی روشنی میں اصول دیے ہیں۔ سر سید احمد خان حکومت کی دو قسمیں بتاتے ہیں ایک مہذب اور دوسری نامہذب ،حکومت ملک کی تہذیب کی آئینہ دار ہوتی ہے ان کا کہنا ہے کہ ملک جب نامہذب ہوتا ہے تو ضرور کچھ نہ کچھ گورنمنٹ میں ناتہذیبی

آجاتی ہے اور جب گورنمنٹ مہذب ہوتی ہے تو کسی نہ کسی قدر تہذیب ملک میں ہوتی ہے پھر باشندگان ملک کی تہذیب یا عدم تہذیب ہی کی بنا پر ملک کے مہذب یا غیر مہذب ہونے کا حکم لگا یا جاتا ہے ۔[18]

سر سید کے نزدیک مہذب حکومت کی شرائط یہ ہیں اول یہ کہ ملک میں حکومت کے فرائض کی انجام دہی کیلئے قانون جاری ہوں اور ان قوانین کی اہم ترین خصوصیت یہ ہو کہ ان کی رو سے تمام رعایا کے حقوق مساوی ہوں۔ کوئی شخص حتی کہ خود گورنمنٹ بھی ان قوانین سے بالاتر نہ سمجھی جائے ۔دوسری شرط یہ ہے کہ محض قوانین کا ہونا کافی نہیں ہے۔ بلکہ ان قوانین کے نفاذ کے لئے کافی قوت موجود ہو جسے وہ گورنمنٹ کہتے ہیں۔ جس حکومت میں یہ خصوصیت پائی جائیں گی وہ مہذب کہلائے گی اور جو ان سے محروم ہو گئی اسے غیر مہذب اور ناتربیت یافتہ ملک کہیں گے۔ سر سید غیر مہذب حکومت کے نقائص بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے ان کی رائے میں ایسی حکومت میں کبھی امن نہیں رہتا۔ ملک کی، مال کی ،دولت کی، رعایا کی ترقی نہیں ہوتی۔[19]

ا دارہ حکومت و ریاست کا سربراہ عاقل و بالغ، وسیع النظر اور مسلم و آزاد ہونا ضروری ہے۔ اسلام کی شرط اس لیے ہے کہ اس کے کردار اخلاق سے اسلامی تعلیمات کا اظہار ہو۔ خاندانی یا وراثتی خلافت و سر پرستی کا کوئی نظریہ اسلامی تعلیمات میں نہیں پایا جاتا، قائدانہ صلاحیتوں کا حامل ہونا اور حدود اللہ کی پاسداری کرنے اور کروانے والا ہونا لازمی ہے۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اسلام چونکہ ایک عالمگیر دین ہے اس لئے وقت اور ضروریات کے مطابق سربراہ ریاست کے لیے Title کوئی بھی استعمال کیا جاسکتا ہے چاہے خلیفہ کہہ لیا جائے یا امام یا امیر یا صدر، یا وزیر اعظم یا سلطان یا بادشاہ ۔مرکزی نقطہ اور روح یہی ہے کہ انتظام ریاست احسن انداز میں سرانجام دیے جائیں۔ سربراہ ریاست کے فرائض کی بات کی جائے تو شاہ ولی اللہ نے بہت عمدہ انداز میں خلیفہ کے فرائض بیان کئے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

1۔ شرعی حدود کا قیام

2۔احکام شرعیہ کا اجراء اور تنفیذ۔

3۔جنگ کرنے سے پہلے یہ غور کرنا بھی خلیفہ کا فرض ہے کہ اس جنگ کا مقصد کیا ہے اور کس کارروائی سے یہ مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ کس وقت صلح کر لینی مناسب ہے اور کن حالات میں جنگ جاری رکھنا سود مند ہے۔

4۔ خلیفہ کا یہ فرض بھی ہے کہ اس بات کا خیال رکھے کہ کسی چھوٹے مقصد کے لئے بڑا مقصد تو نہیں فوت ہورہاہے۔ وہ مثال کے طور پر بھاری ٹیکس عائد کرنے سے جو معمولی فائدے حاصل ہوتے ہیں ان پر مصالح امت کو قربان کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔

5۔ خلیفہ کا یہ اہم فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کو مانوس کرے۔ ہر ایک کی حیثیت پہچانے۔ سرداران قوم اور عقلاء کی قدردانی کرے ترغیب وترہیب کے ذریعے دشمنوں کے مقابلے پر آمادہ کرے "[20]

آنحضورؐ نبی کریم کی جوامع الکلم احادیث جہاں بہت سے حکم اور اصول وضوابط نکلتے ہیں وہاں ہر شعبہ اور ہر عہدہ کے حقوق اور ذمہ داریوں میں توازن و اعتدال کا پایا جانا بھی بہت بڑی خوبی ہے۔ آپؐ نے جہاں سربراہ کے انتخاب اور ذمہ داریوں کے متعلق تہدید و تلقین فرمائی ہے وہیں عوام پر عائد ذمہ داریوں کے دائرہ کار کو بھی واضح جس کے پیچھے یہ مقصد کارفرما ہے کہ ریاست کا سیاسی نظام احسن طریقے سے چلے اور فتنہ و فساد کی صورت حال پیدا نہ ہو۔ کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ حقوق وفرائض میں عدم توازن سے خانہ جنگی کے نتائج نکلتے ہیں اور امن عامہ کی صورت حال ابتر حالت اختیار کر لیتی ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال:قال رسول اللہ ﷺعل المرء المسلم لسمع و الطاعة فیما احب او کرہ، الا ان یو مر بمعصیة ،فاذا امر بمعصیة فلا سمع و لا طاعة ۔'(بخاری،محمد بن اسماعیل۔الجامع الصحیح ۔کتاب الاماره،باب وجوب طاعة الامراء۔رقم الحدیث:7144

ایک مسلمان مرد پر سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے چاہے اسے بعض امور پسند ہوں یا ناپسند ہوں، یہاں تک کہ امیر انہیں معصیت کا حکم نہ دے دے، جب (امیر) معصیت کا حکم دے تو نہ تو سننا لازم رہتا ہے نہ اطاعت کرنا۔"

مندرجہ بالا مختصر کلمات سے سنہری اصول وحکم کا استخراج ہوتا ہے کہ نظام حکومت کو کامیاب خطوط پر استوار کرنے کے لیے لازم ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کی جائے تاکہ توازن برقرار رہے اور نظم وضبط پر کوئی حرف نہ آئے۔

اصول مشاورت مواخذہ

آپ ﷺ نے اپنی جوامع الکلم احادیث میں مشاورت و مواخذہ کے اصول بیان فرمائے ہیں جن کی روشنی میں بہترین سیاسی نظام کے قیام میں مدد ملتی ہے۔ آپ ﷺ نے انفرادی واجتماعی امور میں ذمہ داریوں اور حقوق و فرائض کا تعین فرمایا ہے تاکہ ہر ذی روح اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے انجام دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال:قال رسول اللہ ﷺ:الا کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیّته،فا الامام علی النّاس راع و ھو مسؤل عن رعیّته،و الرّجل راع علی اہل بیته و ھو مسؤل

عن رعيّته،و المراة راعية على اہل بيت زوجها و ولده و ہي مسؤلة عنهم،و عبد الرّجل على مال سيّده و ہو مسؤل عنه ،الا كلكم راع و كلكم مسؤل عن رعيّته[21]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خبردار! تم میں سے ہر کوئی نگہبان ہے اور اس سے اس کے امور کی بابت سوال ہو گا۔ امام اپنی رعایا پر نگہبان ہے اور اس سے رعایا کے متعلق سوال ہو گا، آدمی اپنے گھر والوں کا پر نگہبان ہے اور اس سے اہل خانہ کی بابت وسال ہو گا، عورت اپنے شوہر اور بچوں کی نگہبان ہے اس سے ان کے متعلق سوال ہو گا، غلام اپنے آقا کے مال کا محافظ ہے اس سے مال کی بابت سوال ہو گا، جان رکھو کہ تم میں سے ہر کوئی نگہبان ہے اور اس سے سوال ہو گا۔

یوں ذمہ داریوں کا تعین کر کے محاسبہ کے لیے تیار رہنے کی تلقین کی ہے تاکہ کوئی اپنے فرض اور ذمہ داری کی انجام دہی میں کوتاہی سے کام نہ لے۔

اجتماعی خلافت اور مشورے سے نظام حکومت چلانے کا جداگانہ اصول بھی اسلام کا خاصہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

و امرهم شورىٰ بينهم[22] "اور ان کے کام باہمی مشورت سے طے پاتے ہیں"

اصول مشاورت اسلامی تصور حکومت کا شاخسانہ ہے۔ تمام اجتماعی امور باہمی مشاورت سے طے پانے سے نزاع کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ اسی اصولِ مشورت کو نبی کریم ﷺ نے اپنی مختصر مگر معنٰی کے لحاظ سے جامع حدیث میں بیان فرمایا۔

میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ اگر آپ ﷺ کے بعد امت کو کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جس کے متعلق قرآن میں بھی رہنمائی نہ ہو اور آپ ﷺ سے بھی کوئی بات نہ پہنچی ہو تو کیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کے عبادت گزار لوگوں کو جمع کر و اور ان سے مشاورت کو اور کسی ایک بندے کی رائے پر اکتفاء نہ کر بیٹھو۔

پھر اس شوریٰ کی اصل روح کو نبی اکرمؐ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

عن ابو ہريره رضى الله عنه عن النبىّ ﷺ قال:من اشار على اخيه بامر يعلم ان الرشد فى غيره فقد خانه[23]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی کو کسی ایسی چیز کا مشورہ دیا جس میں اسے معلوم تھا کہ بھلائی اس کے برعکس کسی چیز میں ہے تو اس نے خیانت کی۔"

مندرجہ بالا حدیث سے مشاورت کا جو اصول مستنبط ہوتا ہے وہ بہت وسیع معنوں کا حامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی احکامات عالمگیر ہیں اور ابدی نوعیت کے حامل ہیں کیونکہ جب کسی اصول کو مخصوص کر دیا جائے تو اس کی

وسعت محدود ہو جاتی ہے۔ہر علاقے کے لوگوں کا مزاج اور انداز فکر مختلف ہے لہٰذا شوریٰ براہ راست لوگوں سے ہو یا ان کے نمائندوں سے، نمائندے عوام کے ووٹوں سے منتخب ہوں یا خواص کے ووٹوں سے، ریفرنڈم ہوں یا کوئی اور طریقہ رائے دہی، مجلس شوریٰ ایک ایوان پر مشتمل ہو یا دو ایوانی ہو، بہ صورت ہر تمدن میں مختلف نوعیت کی ہو سکتی ہے۔انداز مختلف ہو سکتا ہے لیکن روح ایک ہی ہے۔[24]

دراصل ہر تمدن، ہر علاقے اور ہر تہذیب کے باشندگان کی فکر اس کے طبعی ماحول اور مزاج کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔ زندگی چونکہ ایک متحرک شے ہے۔انسان فطری طور پر جمود کو ناپسند کرتا ہے۔ جب زندگی متحرک ہے تو روز بروز جدت اور فکری ترقی بھی لازمی امر ہے چیزیں اور نظریات وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔اس لیے مندرجہ بالا آیت اور اس کی توضیح کرنے والی احادیث میں جو باتیں لازم ہیں وہ یہ ہیں۔

یہ لازم ہے کہ مسلمانوں کا کوئی کام مشاورت کے اصول کے بغیر انجام نہیں پانا چاہیے۔مشاورت سے انتخاب ہی ملوکیت کا قلع قمع کرے گا۔دوسرے تمام امور میں مشاورت اگر لازم ہے تو حکمران کے تقرر میں یہ اور بھی ضروری ہے۔ڈکٹیٹر شپ مشاورت سے انتخاب کے برعکس ہے یعنی ڈکٹیٹر مشاورت کے بغیر زبردستی مسلط ہو جاتا ہے اور امور ریاست کو کنٹرول کر لیتا ہے۔مشاورت سے ہی استبداد و استحصال سے بچنا ممکن ہے۔اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ معاملہ جن لوگوں کے ساتھ منسلک ہو ان کو مشورہ میں شامل کرنا ضروری ہے چاہے یہ شمولیت بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ۔نیز مشورہ ذاتی مفاد پر مبنی نہیں ہونا چاہیے اور نہ کسی مخصوص اجتماع کے مفاد پر مبنی ہو۔[25]

مندرجہ بالا اصول ایک مینارہ نور ہیں جن کی روشنی میں نظام کو نافذ کرنے کا کوئی طریقہ کار اختیار کیا جاسکتا ہے۔بشرطیکہ بنیادی روح پر قدغن نہ لگے۔اس میں انتخابات کا ایسا نظام تجویز کیا جانا چاہئے جو آفاقی اصولوں کا حامل ہو۔ جس سے پوری قوم شریک مشورہ ہو سکے اور اس میں ان اسباب کا سد باب ہونا چاہیے جن کے زیر اثر عوام سے یا ان کے نمائندوں سے خوف ولالچ یا ذاتی مفاد کے تحت رائے لینا ممکن ہو۔

عدل ومساوات اور امن عامہ کا اصول:

عدل و انصاف اور امن عامہ کا اصول اسلامی سیاسی نظام کا خاصہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی جوامع الکلم روایات میں عدل و مساوات اور امن عامہ کے اصول کو بہت اہمیت دی ہے کیونکہ یہ خوبیاں جس سیاسی نظام کا خاصہ ہوں وہ نظام کامیاب نظام تصور ہوتا ہے۔اس کی عدم موجودگی خونی انقلاب کا باعث بنتی ہے اور عوام عدل و مساوات اور

امن کے حصول کو ممکن بنانے کے لیے ہر حد تک جانے کی کوشش کرتے ہیں۔اسی لیے انسانی فطرت کے تقاضوں اور ضروریات کو سمجھتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے عدل ومساوات کا درس دیا۔حدیث کے الفاظ ہیں۔

عن معقل بن یسار رضی اللہ عنہ عن النّبیﷺیقال:ما من عبدا یسترعیہ اللہ رعیّۃ ،یموت یوم یموت،و ھو غاش لرعیّتہ الاّحرّم اللہ علیہ الجنّۃ[26]

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے امور رعیت کا نگہبان بنایا اور اس نے بھلائی اور خیر خواہی کا معاملہ عوام کے ساتھ روانہ رکھا تو اللہ اس پر جنّت کو حرام کردے گا۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس بندے کو اللہ نے رعیت کا حاکم ومحافظ بنایا اور اس نے بھلائی اور خیر خواہی کے تقاضوں کے مطابق رعیت کی حفاظت کی ذمہ داری پوری نہیں کی تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔

ایک جگہ آپؐ نے فرمایا

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ قال :قال رسول اللہ ﷺ:الظلم ظلمات یوم القیامۃ۔[27]

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ظلم قیامت کے اندھیروں میں سے ہے۔

مندرجہ بالا احادیث سے جو اصول اخذ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حاکم کا کام صرف یہ نہیں کہ ملکی دفاع کا کام کرے بلکہ یہ بھی ذمہ داری ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں حقیقی اور فطری مساوات قائم کرے۔زندگی کی جدوجہد میں تمام انسانوں کو آگے بڑھنے کے برابر مواقع دے اور انصاف ومساوات کی راہ میں حائل ہر قسم کی رکاوٹ کو دور کرنے کی سعی کرے۔

سفارت کے اصول:

آنحضورؐ نے سفارت کے متعلق بھی رہنما اصول ارشاد فرمائے۔آپؐ نے فرمایا۔

الخلق عیال اللہ ﷺ فا حب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (البخاری،محمد بن اسماعیل۔الجامع الصحیح۔کتاب الاداب،رقم الحدیث:6035

ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی مخلوق سے محبت کرے۔

اس خدیث سے مندرجہ ذیل اصول نکلتا ہے کہ اسلام جغرافیائی حدود کو انسانوں کو باہم بانٹنے والی حدود نہیں سمجھتا۔نبی کریم ﷺ نے اجتماعیت کے ایسے اصول بیان فرمائے جو عالمگیر انسانی برادری قائم کرنے کے خواہاں ہیں

ایسی برادری جو ایک قانون کی تابع اور ایک مرکز سے وابستہ ہو۔ نیز جس میں انسانوں کو گروہوں میں تقسیم کرنے والی چیز نسل، زبان، رنگ اور وطنی حدود نہ ہوں۔ اسلام کسی بھی صورت میں انسانیت میں تفرقہ کو ترویج نہیں دیتا بلکہ عالمگیر برادری کا خواہاں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خارجہ پالیسی کے ضابطہ اخلاق بتائے ہیں اور ان ضابطہ اخلاق پر عمل کرنے کی

ہدایت فرمائی ہے مثلاً ایفائے عہد اور قاصدوں وسفیروں کی جان و عزت کی حفاظت کی ذمہ داری۔

وعن أبي رافع رضي الله عنه قال: قال رسول اللهﷺ:انی لا اخیس بالعهد و لا احبس الرس۔[28]

حضرت ابی رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بے شک میں نہ تو وعدہ خلافی کرتا ہوں اور نہ قاصدوں اور سفیروں کو قتل کرتا ہوں۔"

آج کے دور میں جب کہ امن کے دعوے داروں اور امن کے لیے کام کرنے والوں کو نوبل انعام سے نوازا جارہا ہے اور مغربی ممالک تاثر دیتے ہیں کہ سفارت کے قوانین انہوں نے بنائے ہیں اور سفیروں کی ناموس اور جان و مال کی حفاظت کے قوانین کا اجراء بھی انہوں نے کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضورؐ نے چودہ صدیاں قبل بین الاقوامی ہم آہنگی کا درس بھی دیا اور باریک نقاط سے متعلق بھی اصول و قواعد بتائے۔ سفیروں کی عزت اور ان کے حقوق پر روشنی ڈالی۔ نیز اس حدیث مبارکہ سے یہ اصول بھی نکلتا ہے کہ کوئی بھی ملک بذات خود تمام ضروریات کا کفیل نہیں ہو سکتا۔ نیز کاروبار ریاست کو چلانے کے لئے سفارت خانوں کے قیام کی بھی ضرورت ہے اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری بھی سلطنت اور ریاست کے باشندوں پر عائد ہوتی ہے۔

دفاع اور اصول جنگ و صلح:

اسلام امن کا دین ہے۔ اس کی تعلیمات امن عامہ کے اصول کی حامل ہیں۔ نبی کریم ﷺ اس دین امن کے داعی تھے اسی لیے آپ ﷺ کی احادیث بھی اس اصول کی ترویج کرتی ہیں۔

آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا

عبد الله بن علقمةقال:قال رسول الله ﷺ:ایها الناس لا تتمنو القاء العدو و سلو الله العافية ،فاذا لقيتموهم فاصبرو ا واعلمو ا انّ الجنۃ تحت ظلال السيوف۔[29]

حضرت عبداللہ بن علقمہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنگ کی تمنّا نہ کرو لیکن اگر مسلط کر دی جائے تو ثابت قدم رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کی تعلیمات سے بہادری، ثابت قدمی اور صبر کا درس ملتا ہے۔ آنحضورؐ نے اپنی امت کے لئے عمومی طور پر اور صحابہ کرام کے لیے خصوصی طور پر یہ فرمایا کہ جنگ و جدل کی آرزو اور پہل نہ کی جائے۔ دراصل انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ کچھ شریر لوگوں کی وجہ سے بعض اوقات عمومی طور پر لوگوں کو جنگ کا نشانہ بننا پڑتا ہے بعض اوقات یہ نزاع کی صورت حال ملک گیری کی ہوس کے پیش نظر ہوتی ہے جب کہ بعض اوقات دیگر اقوام کو ختم کرنے اور ان کو زک پہنچانے کے لیے ہوتی ہے۔ اسلام ایک عالمگیر دین ہے اس دین کو قائم رہنے کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ اگر کوئی طاقت اسے مٹانے کی کوشش کرے گی تو ایسی صورتحال میں مندرجہ بالا حدیث قانون کا درجہ رکھتی ہے ۔دشمن اگر چڑھ دوڑے تو ثابت قدمی سے مقابلہ کرنے کا درس دیا گیا ہے نہ کہ میدان چھوڑ کر بھاگنے کا اور نہ ہی ظلم کو اپنے اوپر نافذ کرنے کا۔

ایسی صورتحال میں آپؐ نے فرمایا:

و عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه قال:قال رسول الله ﷺ:لن یبرح هذا قائما یقاتل علیه عصابة من المسلمین حتی تقوم الساعة[30]

حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا، مسلمانوں کی ایک جماعت اس کی خاطر قیامت تک لڑتی رہے گی۔

یہ لڑائی آج کے دور کے تقاضوں کے مطابق تلوار یا طاقت کی لڑائی نہیں بلکہ ہتھیار کی جگہ علم کے حصول اور اس میں مہارت کی جد وجہد ہے۔

آج جب کہ مسلمان معاشی و سیاسی اعتبار سے پستی کا شکار ہیں، اس صورت حال میں علم کے میدان میں مہارت حاصل کرنا اور افرادی قوت مہیا کرنا ہی اصل جہاد ہے۔ نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں اس اصول کی طرف اشارہ ہے کہ مومنین کو مضبوط ہونا چاہیے اور یہ مضبوطی جسمانی کے ساتھ ساتھ مہارت کی مضبوطی بھی ہے۔

غیر مسلموں سے متعلق اصول و قوائد:

آنحضورؐ نے فرمایا :عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه قال:قال رسول الله ﷺ:یا ایها الناس !ان ربکم واحدا،و انّ اباکم واحدا ،الا لا فضل لعربی علی عجمی و لا لعجمی علی عربی ،و لا لاحمر علی اسود و لا لاسود علی احمر الاّ بالتقویٰ، انّ اکرمکم عند الله اتقکم۔[31]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ خبر دار! کسی عربی کو عجمی پے اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل نہیں نہ کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی برتری حاصل ہے مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔

مندرجہ بالا حدیث سے آنحضورؐ نے یہ حکم دیا ہے کہ مساوات بین العوام کے اصول کو مد نظر رکھا جائے۔ کیونکہ تمام انسان تخلیق میں برابر ہیں۔ جذبات، احساسات اور جسمانی ساخت میں یکساں ہیں۔ اس طرح آپؐ نے فرمایا کہ جنگ کی صورت میں اگر مسلمان کسی جگہ ریاست بنانے اور تشکیل دینے میں کامیاب ہو جائیں تو وہاں پر جو غیر مسلم ہیں جنہوں نے جنگ اور فساد سے ہاتھ کھینچ لیا ہو اور معاہد بن کر اسلامی ریاست کے شہری ہونے کے فرائض ادا کریں۔ ان کے حقوق کے متعلق بھی قوانین اور احکامات دیے گئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔

مندرجہ بالا حدیث سے آنحضورؐ نے یہ حکم دیا ہے کہ مساوات بین العوام کے اصول کو مد نظر رکھا جائے۔ کیونکہ تمام انسان تخلیق میں برابر ہیں۔ جذبات، احساسات اور جسمانی ساخت میں یکساں ہیں۔ اس طرح آپؐ نے فرمایا کہ جنگ کی صورت میں اگر مسلمان کسی جگہ ریاست بنانے اور تشکیل دینے میں کامیاب ہو عن هلال قال ،قال رسول الله ﷺ:لعلكم تقاتلون قوما، فتظهرون عليهم، فيتقونكم بأموالهم دون أنفسهم، وأبنائهم»، قال سعيد في حديثه: «فيصالحونكم على صلح، ثم اتفقا، فلا تصيبوا منهم شيئا فوق ذلك فإنه لا يصلح لكم[32]

حضرت ہلال سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم کسی قوم سے لڑو اور اس پر غالب آ جاؤ اور وہ قوم اپنی اور اپنی اولاد کی جان بچانے کے لیے تم کو خراج دینا منظور کرے تو پھر بعد میں اس مقررہ خراج سے ایک حبہ بھی زائد نہ لینا کیونکہ وہ تمہارے لیے ناجائز ہو گا۔

اسی طرح یہ اصول بین الاقوامی سطح پر بھی فائدہ مند ہیں۔ اگر اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کی گئی ہے تو چونکہ وہ اسلامی ممالک کی اقلیتیں ہیں اس اصول کے تحت غیر مسلم ممالک جن میں مسلمان اور دیگر مذاہب کے لوگ اقلیت کے طور پر شہریت کے حامل ہیں۔ ان سے بھی حسن سلوک کا انداز اپنایا جائے ان کی مال و جان اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے اور انہیں محترم مانا جائے۔

حاصل کلام:

نبی کریم ﷺ نے اپنی جوامع الکلم احادیث میں سیاسی افکار اور اصول دیے ہیں۔ سیاسی امور کو شریعت کے دائرہ کار میں رہ کر انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ مغربی سیاسی افکار کی محدودیت اور مستقل اصولوں کے مفقود ہونے کی وجہ دین اور دنیا کو جدا کرنا اور ایک دوسرے کے معاملات سے دور رہنا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشادات سے یہ واضح فرمایا ہے کہ دین اور سیاست جدا نہیں۔ بلکہ ایسے اصول وحکم دیے جن کو بنیاد بنا کر بہترین سیاسی نظام قائم کیا جاسکتا ہے اور یہ نظام دنیا میں موجود تمام سیاسی نظاموں کی خصوصیات لیے ہوئے ہے۔

حوالہ جات

القرآن الحکیم

1. ابوداود، سلیمان بن الاشعث۔ سنن ابی داود، بیروت: دارالکتب العلمیہ 2002ء
2. الألباني، أبو عبد الرحمن محمد ناصر الدين۔ في السلسلة الصحيحة۔ الرياض: مكتبہ المعارف 1995
3. بخاری، محمد بن اسماعیل۔ الجامع الصحیح۔ مصر: دارالسلام للنشر والتوزیع 1995ء
4. رشید احمد، پروفیسر، مسلمانوں کے سیاسی افکار۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ 1978
5. شاہ ولی اللہ، قطب الدین احمد۔ فیوض الحرمین اردو۔ (مترجم پروفیسر محمد سرور) کراچی: دارالاشاعت 1414ھ
6. العسقلانی، ابن حجر، فتح الباري۔ القاهرة: دار الريان للتراث 1407ھ،
7. مسعود احمد خان، پروفیسر۔ جدید تقابلی سیاسیات۔ لاہور: نیو بک پیلس ندیم یونس برنٹرز 2007
8. مسلم بن الحجاج، ابوالحسین۔ الجامع الصحیح۔ بیروت: دارالکتب العلمیہ 1990ء
9. مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ اسلامی ریاست۔ لاہور: مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری 1994ء

---

[1] ۔ مسعود احمد خان، پروفیسر۔ جدید تقابلی سیاسیات۔ لاہور: نیو بک پیلس ندیم یونس برنٹرز، 2007، ص:26

[2] ایضا، ص:27

[3] ۔ مسعود احمد خان، جدید تقابلی سیاسیات، ص:32

[4] القرآن، یوسف 40:12

[5] آل عمران 154:3

[6] مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ اسلامی ریاست۔ لاہور: مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری 1994ء ص:137

[7] البخاری، محمد بن اسماعیل۔ الجامع الصحیح۔ مصر: دارالسلام للنشر والتوزیع 1995ء کتاب: التمني، باب: ماجاء فی اجازۃ خبر الواحد الصدوق فی الاذان والصلاۃ والصوم، ج:1، ص:5780، رقم الحدیث:6830

[8] ۔ الحشر 59:7

[9]البقرۃ30:2

[10]۔مودودی،اسلامی ریاست،ص:342

[11] مسلم بن الحجاج،الجامع الصحیح،بیروت:دارالکتب العلمیہ1990ء ،کتاب:الامارۃ،باب: الامارۃ،ج:2،ص:3178،رقم الحدیث:4701

[12]مسلم بن الحجاج،الجامع الصحیح،کتاب:الامارۃ،باب:وجوب طاعۃالامر فی غیر معصیۃ،وتحریمھا فی المعصیۃ،ج:1،ص:2233،رقم الحدیث:2464

[13] العسقلانی،ابن حجر۔ فتح الباري۔القاهرۃ:دار الريان للتراث 1407 ،ج:2،ص:6647

[14]مسلم بن الحجاج،الجامع الصحیح،کتاب:الامارہ،باب:خیار الائمہ وشرارھم،ج:1،ص:1222،رقم الحدیث:1855

[15]مودودی،سیدابوالاعلیٰ،اسلامی ریاست،ص:409

[16] مسلم بن الحجاج،الجامع الصحیح،کتاب:الامارۃ،باب:کراھۃالامارۃ بغیر ضرورۃ،ج:1،ص:3878،رقم الحدیث:4719

[17] رشید احمد،مسلمانوں کے سیاسی افکار،ص:248

[18] رشید احمد،مسلمانوں کے سیاسی افکار،ص:264

[19] ایضا،ص:264

[20]شاہ ولی اللہ،قطب الدین احمد۔فیوض الحرمین اردو۔(مترجم:پروفیسر محمد سرور) کراچی: دارالاشاعت،1414ھ،ص:174

[21]البخاری،الجامع الصحیح،کتاب:فی الاستقراض واداءالدیون والحجر والتفلیس،باب:العبد راع فی مال سیدہ،ولا یعمل الا باذنہ،ج:2،ص:1887، رقم الحدیث: 2409

[22]۔الشوریٰ38:42

[23]ابوداود،سلیمان بن الاشعث۔سنن ابی داود۔بیروت:دارالکتب العلمیہ2002ء کِتَاب:الْعِلْمِ، باب:التَّوَقِّي فِي الْفُتْيَا،جلد:5،ص:499رقم الحدیث:3657

[24]۔مودودی،سیدابوالاعلیٰ،اسلامی ریاست،ص:397

[25]ایضا،ص:398

[26]مسلم بن الحجاج،الجامع الصحیح،کتاب:الِامارۃ باب:فضیلۃ الِامام العادل وعقوبۃ الجائر،والحث علی الرفق بالرعیۃ،والنھي عن ادخال المشقۃ علیھم ،ص:2222،رقم الحدیث: 3317

[27] ایضا،کتاب:البر والصلۃ،باب: تحریم الظلم،جلد:4،ص:1996،رقم الدیث:2578،

[28] العسقلانی،ابن حجر۔فقہ الاسلام شرح بلوغ المرام من جمع ادلۃالاحکام۔الریاض:مکتبہ المعارف للنشر والتوازیع2011ء،کتاب :الجہاد،ص:1121،رقم الحدیث:1153

[29] البخاری ،الجامع الصحیح،کتاب: الجهاد، باب: کراهة تمنی لقاء العدو والامر بالصبر عند اللقاء،ج:2 ، ص:227،رقم الحدیث: 3379

[30] مسلم بن الحجاج،الجامع الصحیح، كِتَاب: الْإِمَارَةِ، باب: قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،ج:2،ص:2677،رقم الحدیث:4953

[31] الألباني، أبو عبد الرحمن محمد ناصر الدين۔في السلسلة الصحيحة۔الریاض: مکتبہ المعارف،1995،ص:1567،رقم الحدیث:2700

[32] ابوداود، سلیمان بن الاشعث۔ سنن ابی داود۔بیروت: دار الکتب العلمیہ 2002ء كِتَاب: الْخَرَاجِ وَالْإِمَارَةِ وَالْفَيْءِ، باب: فِي تَعْشِيرِ أَهْلِ الذِّمَّةِ إِذَا اخْتَلَفُوا بِالتِّجَارَاتِ، ص:200،رقم الحدیث:3051